پروفیسر علی حیدر ملک

اشفاق حسین کی تین کتابیں

۱۹۹۲ء کا سال اشفاق حسین کی زندگی میں بے حد اہم ہے۔ اس سال وہ اپنی عمر طبعی کے چالیس سال مکمل کر کے پانچویں دہائی میں داخل ہو گئے اور یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ چالیس سال کی عمر ذہنی پختگی کی عمر سمجھی جاتی ہے اور اسے کئی حوالوں سے ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ چالیسواں سال مکمل کر کے اکتالیسویں سال میں قدم رکھتے ہی اشفاق حسین نے ہیٹ ٹرک بنا لی یعنی اس سال ۱۹۹۲ء میں یکے بعد دیگرے ان کی تین کتابیں شائع ہوئیں۔۔۔ ''ہم اجنبی ہیں''، ''فیض، جیبِ عنبر دست'' اور ''فیض کے مغربی حوالے''۔

اول الذکر اشفاق حسین کا شعری مجموعہ ہے جبکہ ثانی الذکر اور آخر الذکر دونوں کتابیں، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے فیض احمد فیضؔ سے متعلق ہیں۔ یہ تینوں کتابیں یوں تو بالکل نئی اور تازہ ہیں مگر انھیں اشفاق کی پرانی کتابوں کی توسیع یا پچھلی رہگزر پر اُن کی اگلی منزلیں بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔

۱۹۷۷ء میں اشفاق حسین کی پہلی کتاب ''فیض ایک جائزہ'' شائع ہوئی تھی جو فیض پر لکھی جانے والی پہلی تنقیدی کتاب بھی تھی۔ یہ دراصل وہ مقالہ تھا جو اشفاق نے ایم۔ اے میں ایک پرچے کے عوض تحریر کیا تھا۔ ''فیض، جیبِ عنبر دست'' اور ''فیض کے مغربی حوالے'' اسی پہلی کتاب کا تسلسل ہیں۔ ۱۹۷۹ء میں اُن کا پہلا شعری مجموعہ ''اعتبار'' سامنے آیا تھا۔ اس لحاظ سے ''ہم اجنبی ہیں'' دوسرا شعری قدم ہے۔

ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ نرجس کے علاوہ اشفاق کی دو محبتیں ہیں۔۔۔

شاعری اور فیض۔۔۔اور ان دونوں سے وہ بڑی خوش اُسلوبی کے ساتھ عہد وفا نبھا رہے ہیں حالانکہ اس اثناء میں وہ زندگی کے کئی نشیب و فراز سے گزرے اور ہجرت کے مسائل و مصائب سے بھی دوچار ہوئے۔

فیضؔ اگر عجائبات میں نہیں تو اس عہد کے طلسمات میں ضرور تھے اور اس طلسم کے اسیر ہم آپ اور اشفاق سبھی ہیں۔ ہم میں اور اشفاق میں اگر کوئی فرق ہے تو یہ کہ ہم میں سے بیشتر فیض سے اپنی محبت کا اظہار محض زبانی طور پر کرتے ہیں جبکہ اشفاق دعوائے گرفتاریٔ اُلفت کا عملی ثبوت بھی فراہم کرتے رہتے ہیں۔ گویا فیضؔ کے دوسرے چاہنے والوں اور اشفاق میں وہی فرق ہے جو کہ ساحرؔ لدھیانوی اور مغل شہنشاہ شاہجہاں میں تھا۔

''فیض جیبِ عنبر دست'' تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے ''فیض ٹورنٹو میں'' کے زیرِ عنوان گیارہ مضامین درج ہیں۔ دوسرے حصے میں دو مضامین ہیں جبکہ تیسرے حصے میں ایک انٹرویو ہے جو فیضؔ سے متعلق ڈاکٹر خالد سہیل اور اشفاق حسین کے مکالموں پر محیط ہے۔ یہ سارے مندرجات فیض اور کینیڈا کے حوالے سے ہیں۔ اشفاق نے اس سلسلے میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ انھوں نے فیض کے تعلق سے کینیڈا میں منعقد ہونے والی تمام تقریبات کا احاطہ کر لیا ہے۔ اپنی فردگزاشت کے ضمن میں انہوں نے بہت صاف گوئی اور خوبصورت جواز کے ساتھ اعتراف کیا ہے کہ

> ''کتاب کے اس حصے میں تمام حالات و واقعات کا بیان ممکن نہیں تھا۔ میں نے صرف ان واقعات کو موضوع بنایا ہے جن کی کچھ تفصیلات میرے ذہن میں محفوظ تھیں۔ صرف ان حالات کا تذکرہ کیا ہے جو میرے مشاہدے میں آئے۔ ظاہر ہے کہ جب میری آنکھیں بند ہوتی ہیں تب بھی سورج نکلا ہوا

ہوتا ہے مگر میں اس کی روشنی کا گواہ تو نہیں ہوسکتا۔''

یہ کتاب فیض اور کینیڈا کے تعلق سے بہت سی معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ بیرون ملک فیضؔ کی بے مثال مقبولیت اور ان سے لوگوں کی بے پناہ عقیدت کا نقش پیش کرتی ہے۔

''فیض کے مغربی حوالے'' اشفاق کی تصنیف نہیں مگر ایک ایسی تحقیقی تالیف یقینی ہے جس پر تصنیف بھی رشک کرسکتی ہے۔ ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل یہ کتاب فیضؔ پر شائع ہونے والی تمام کتابوں سے زیادہ ضخیم ہے۔ اس میں جو ابواب مقرر کیے گیے ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں۔۔ کینڈین چیپٹر، اَمریکن چیپٹر، یُورپین چیپٹر، برطانوی چیپٹر، ماسکو چیپٹر، فیض کے چند خطوط اور فیض کی شاعری۔

اس میں خود فیض کے مضامین، اِنٹرویوز اور نظموں، غزلوں کے علاوہ ڈاکٹر محبوب الحق، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، مشتاق احمد یوسفی سے عاشور کاظمی، خالد سہیل اور اشفاق حسین تک کی تحریریں شامل ہیں۔ اس کے ایک طرف جہاں فیض کی بہتر تفہیم میں مدد ملتی ہے اور فیض کے مطالعے میں ایک نئے زاویے کا اضافہ ہوتا ہے وہاں دوسری طرف یہ ماضی قریب کے ادبی و شعری رجحانات اور دیگر معاملات کو سمجھنے میں بھی معاون ثابت ہوتی ہے۔ یہاں یہ کہنا شاید غلط اور غیر ضروری نہ ہو کہ اُردو کی بیشتر تحقیق، تحقیق برائے تحقیق کے زمرے میں آتی ہے۔ اس سے ادب یا شاعری میں کسی نئے عنصر یا نئی جہت کا اضافہ نہیں ہوتا۔ یہ صرف میرؔ کے دیوان کے نقطے گننے اور داغؔ کے انتقال کے وقت کے تعین تک محدود رہتی ہے۔ غالبؔ اور اقبالؔ محققوں کے اس شوقِ فضول کے زیادہ شکار ہوئے ہیں۔ لیکن اشفاق خود چونکہ ایک تخلیقی شخصیت کے مالک ہیں لہٰذا ان کی تالیف کردہ اس کتاب میں بھی تخلیقی رنگ نمایاں ہے۔ یہ نقطوں پر نقطے بٹھانے کا کام نہیں ہے۔ اس میں فیض کی زندگی کے کئی گوشے ان کے اصل پس منظر میں دیکھنے کو ملتا ہے۔

اشفاق کی کتاب سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ کراچی میں مقیم کینیڈین ہائی کمشنر نے فیضؔ اور بعض دوسرے پاکستانیوں کے بارے میں اپنی حکومت کو کیا لکھا تھا؟ حیدرآباد سندھ میں مشاعرہ پڑھنے کے بعد فیض کو دوبارہ جیل کس نے اور کیوں بھجوایا تھا؟ اسی طرح کچھ اور باتیں بھی سامنے آتی ہیں جو سنجیدہ مطالعے و تجزیے اور مزید تحقیق کی دعوت دیتی ہیں۔ مثلاً ایک اِنٹرویو میں علامہ اقبال سے متعلق افتخار عارف کے سوال کے جواب میں فیض صاحب نے کہا ہے کہ ''علامہ صاحب کو صرف ایک ہی بار دیکھا ہے۔ ذہن میں بہت دھندلا سا تصور ہے''۔۔۔ مگر ڈاکٹر عبادت بریلوی کو اِنٹرویو دیتے ہوئے فیض نے علامہ اقبال کے تعلق سے بتایا کہ۔۔۔ ''جی ہاں! اُن سے کئی مرتبہ شرفِ نیاز حاصل ہوا۔''

یہ دونوں متضاد جملے جو میں نے اُوپر نقل کیے ہیں اتنے مختصر نہیں ہیں۔ ان کی پوری تفصیل بھی فیض صاحب نے بیان کی ہے۔ اب یہ دوسروں کا کام ہے کہ وہ اس کی توجیہہ و توضیح کر کے کسی صحیح نتیجے تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

اشفاق حسین کی اس سال شائع ہونے والی تیسری کتاب ''ہم اجنبی ہیں'' ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۰ء تک یعنی کینیڈا میں ان کے قیام کے دس سال کی شعری نگارشات پر مشتمل ہے۔ یہ مجموعہ ''اعتبار'' کے بعد ان کی شاعری میں ایک واضح ڈیپارچر پوائنٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں کئی نئے موضوعات، نئے تجربے اور نئے رویے نظر آتے ہیں جن میں سب سے اہم ہجرت کا موضوع اور تجربہ ہے۔ ہجرت مجبوری کے تحت کی جائے یا اپنی مرضی سے۔ ہر دو صورت میں اس کی اپنی کلفتیں اور اپنی راحتیں ہوتی ہیں اور اگر کچھ نہ بھی ہو تو کم سے کم چشم تنگ ضرور وا ہوتی ہے اور انسان تجربے کی دولت سے بہر حال مالا مال ہوتا ہے۔ اشفاق نے ایک حساس فنکار کی طرح ہر تجربے اور ہر کیفیت کو گرفت میں لینے کی کوشش کی ہے۔

ایک ثقافتی ماحول سے دوسرے ثقافتی ماحول میں پہنچ جانے کے بعد آدمی کی کیا کیفیت ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ اس پہلی کیفیت میں کس طرح تبدیلی رُونما ہوتی ہے اسے اشفاق نے نہایت سادگی کے ساتھ یوں بیان کیا ہے۔

میزباں تہذیب کی نیرنگیاں ہیں اور ہم
کھوئی کھوئی سی عجب محرومیاں ہیں اور ہم
پہلے آجاتا تھا جن باتوں پر غصہ بار بار
اب انھیں باتوں میں کچھ دلچسپیاں ہیں اور میں
کوئی چہرہ اب کسی کھڑکی میں یاد آتا نہیں
ساحلوں پر دھوپ لیتی لڑکیاں ہیں اور ہم

ہجرت کرنے والی نسل ماضی اور حال کے درمیان ایک کشمکش میں مبتلا رہتی ہے مگر اس کی اگلی نسل نئے ملک اور نئی فضا سے مانوس ہونے لگتی ہے۔ اُس کا زاویۂ نظر بڑی حد تک تبدیل ہو جاتا ہے۔

سکوں ملتا ہے بے آنگن گھروں میں میرے بچوں کو
کھلے دالان کی خواہش تو میری نسل ہی تک ہے

ہجرت کے بعد اشفاق آزادی کے تصور اور اس کی برکتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اپنی نظم ''غنیمت ہے یہی'' میں وہ کہتے ہیں کہ صحیح معنوں میں کوئی بھی آزاد نہیں ہے کیونکہ

کس کو آزادی یہ حاصل ہے کہ وہ
خود بھی آزاد رہے
اور اِسی آزادی کے ساتھ

اس کا دشمن بھی جیے

گویا ہر فرد، ہر قوم یہاں صرف اپنے لیے آزادی کی خواہاں ہے۔ دوسروں کو یہ آزادی کا حق نہیں دینا چاہتی۔۔۔لیکن یہ نظم یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی۔ اشفاق اسے ایک نیا رُخ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

ذہن آزاد اگر ہے تو بدن قید میں ہے
پھر بھی اس کار جہاں میں
فقط اک لمحے کو
ذہن آزاد اگر ہے تو غنیمت ہے یہی

اشفاق نے ایسا کیوں کہا یہ جاننے کے لیے ان کے دو شعر ملاحظہ فرمایے:

اگرچہ ذہن ہیں چھوٹے پہ ہیں خیال بڑے
ہمارے بچے ہیں ہم سے ہزاروں سال بڑے
کھلی ہوا جو ملی ہے تو کم سِنی میں بھی
اُبھر کے آنے لگے ذہن میں سوال بڑے

کینیڈا یا مغرب نے موضوع اور مواد کے علاوہ اشفاق کی شاعری کی طرزِ احساس اور طرزِ اظہار کے لحاظ سے بھی متاثر کیا ہے اور خوشگوار انداز میں۔۔۔دو تین شعر دیکھیے:

اُس دہلیز پہ جب کوئی گلدستہ رکھنا
پھول اک میرے نام سے بھی وابستہ رکھنا

برف کے شہر میں کچھ دھوپ بچا کر رکھیں

یخ زدہ موج ہوا بارِ دگر آئے گی
یہ مجھے صبح کے اخبار نے بتلایا ہے
مہرباں مجھ پہ وہ کل رات اچانک کیوں تھے

عشق زدہ دل بھلا ہجر میں رکھا ہے کیا
شام نئی آ گئی ڈھونڈ لے دلبر نیا

اشفاق حسین کی شاعری میں بہت کچھ ہے اور اس کے بارے میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن وقت مانع ہے۔ پھر بھی آخر میں ایک بات کا ذکر بے حد ضروری ہے۔ وہ یہ کہ اشفاق، فیضؔ صاحب کے عاشقِ صادق ہیں لیکن اپنی شاعری میں انھوں نے فیضؔ کی نقالی یا پیروی نہیں کی ہے۔ اگر کہیں کوئی اثر لیا بھی ہے تو بالواسطہ طور پر اور تخلیقی انداز میں۔ اس طرح ان کی شاعری کا اپنا ایک رنگ جمتا ہوا نظر آتا ہے۔

فیضؔ صاحب پر اگر کوئی الزام عائد کیا جا سکتا ہے تو یہی کہ انھوں نے اپنے بعد آنے والے بہت سے شاعروں کو تباہ کر دیا، لیکن صرف فیض صاحب ہی کیوں ہر بڑا شاعر اس گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ یہ تو بعد میں آنے والے شاعروں پر منحصر ہے کہ وہ اپنے قدم کچھ اس طرح اٹھائیں کہ راہ میں کھو جانے کا امکان باقی نہ رہے۔ اشفاق حسین نے اسی اصول پر عمل کیا ہے اور آج تک اپنے راستوں کو گل و گلزار بناتے چلے جا رہے ہیں۔

اشفاق حسین لائقِ تحسین ہیں کہ انھوں نے ایک ہاتھ میں اگر فیض کا پرچم اٹھایا ہوا ہے تو اُن کے دوسرے ہاتھ میں اُن کا اپنا شخصی اور انفرادی پرچم بھی موجود ہے اور اسے انھوں نے کبھی سرنگوں نہیں

ہونے دیا۔

(آرٹس کونسل کراچی میں اشفاق حسین کی کتابوں کی رسم اجرا کے موقعے پر پڑھا گیا-۱۹۹۳)

علی حیدر ملک: 66-نور پلازہ۔ بلاک۔M نارتھ ناظم آباد۔کراچی